توہم پرستی کے اسباب وعلاج کا جائزہ (تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں)

Superstition It's Causes and Cure in the Light of Prophetic Teachings

عمران بابر*

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری**

ABSTRACT:

Superstition is a social and human problem. Existence of superstitions cannot be ruled out in any human society. We find that not only Muslims, but also other people are subject to superstitions, anxiety and unrest. There is a dire need to review and analyze the religious factors and effects of Superstition, thence tell how Islam guides to get rid of it. Religion, and religious law are the basis of a Muslim society. Religions in its true spirit is but a way to demonstrate servitude to God. This is all about obedience. Religion is a transcendental and eternal set of divine instructions. It appears not only in the form of piety and recompense, but also it influences the inner self of human beings, hence it affects our actions, consciously or unconsciously. The basic objective of the Islamic teachings is character building and purification of souls to make a pious man. Only this type of human can be free from the negative cults, superstitions and anxiety produced by the modern age, only this human can be a true obedient servant of God. Superstitions are metaphysical interpretations of some physical phenomena. In the realm of metaphysics, the religion is the only authority. So we can cure the problem of superstition through the correct knowledge of the religion.

Key words: Superstition, Islamic Teaching, Causes, Remedies.

توہم پرستی ایک انسانی و معاشرتی مسئلہ ہے کسی بھی معاشرہ میں توہم پرستی کا امکان رد نہیں کیا جا سکتا۔ آج کا مسلمان بالخصوص اور تمام انسان بالعموم کسی نہ کسی طرح توہمات، بے چینی، گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار ہیں۔ موجودہ دور کی اہم ضرورت اور وقت کا تقاضا ہے کہ توہم پرستی کے مذہبی اسباب واثرات کا جائزہ لیا جائے، اور یہ بتایا جائے کہ دین اسلام نے توہمات سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے کن اسباب کا ذکر کیا ہے۔ مذہب اور شریعت کسی بھی معاشرے کی اساس ہیں۔ مذہب مجموعی طور پر چاہے اعتقادات ہوں، عبادات یا دیگر روحانی اعمال، اصلاً ان کا مقصد رب ذوالجلال کے حضور بندگی اور غلامی کا اظہار ہے۔ ابتدائی اور حقیقی اعتبار سے یہ سمع و طاعت کا قضیہ ہے۔ مذہب ایک الوہی اور ابدی پیغام ہے اس کی تاثیر جہاں نیکی، ثواب اور جزا کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے وہاں انسان

*Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad.
Email: umranbabar@gmail.com
**Chairman, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad

کے ظاہر و باطن پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ ہمارے روزمرہ کے افعال و عادات اور حرکات اس سے شعوری یا لاشعوری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا بنیادی مقصد کردار سازی اور تربیتِ انسان ہے۔ جس کا مقصد صالح انسان تیار کرنا ہے اور ایسا انسان ہی عصر حاضر کے منفی رجحانات، توہمات اور اضطراب سے پاک ہو سکتا ہے اور صحیح معنوں میں اللہ تعالی کی اطاعت و بندگی کرنے والا ہو سکتا ہے۔ توہمات چند مادی مظاہر کی مابعد الطبیعاتی تعبیرات ہیں۔ مابعد الطبیعاتی معاملات میں اتھارٹی مذہب ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مذہب سے حاصل ہونے والے درست علم سے توہم پرستی کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

توہم کا مفہوم:

تَوَہم کا لفظ وہم سے ہے۔ عربی اور اُردو لغت میں وہم کے درج ذیل معنی بیان ہوئے ہیں۔

وَهِمْتُ في الحساب أَوْهَمُ وهْماً إذا غلطت فيه وسهوت، اور وتَوَهَّمْتُ، أي ظننت. وأوهمت الشئ إذا تركته كله[1]

فرہنگ آصفیہ میں وہم کا مطلب یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"وہم: وسواس، دل کا بقصد کسی چیز کی طرف جانا، خیالِ باطل، گمان، شک، چِنتا، بھرم، احتمال۔ قوتِ متخیلہ دماغ کی وہ باطنی قوت جو فاسد خیالات پیدا کرتی ہے۔"[2]

عربی اور اردو لغات میں توہم کا جو مفہوم مترشح ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہم یا گمان پر یقین رکھنا، غیر حقیقی اشیاء پر بھروسہ کرنا۔ وہم پرست کو اسی لیے وہمی کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر کسی فطری اور حسی دلیل کے اپنے خیالِ باطل سے ایک واقعہ وحادثہ کو یقین کا درجہ دیتا ہے۔

دین اسلام توہم کے مفہوم کو بیان کرنے کیلئے تطیّر کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ تطیر در حقیقت ایک عمل ہے جو پرندوں کے ذریعے کیا جاتا ہے، چونکہ عربی میں پرندے کو طائر کہا جاتا ہے اس لیے نیک شگونی اور بدشگونی کے عمل کو طائر (پرندے) کی طرف نسبت کرتے ہوئے تطیّر کا نام دیدیا گیا۔ قرآن کریم میں بھی تطیر کا استعمال ایک آیت میں بدشگونی کے معنی میں کیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ[3]

ترجمہ: رسولوں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، کیا یہ باتیں تم اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔

تطیر کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

تطیّر عربی لفظ ہے اور صرفی اعتبار سے:

تطير تطيراً وطيرة، يقال للحظ و النصيب طائر، وسمى بذالك على طريقة العرب فى الطيرة والفأل.[4]

ترجمہ: تطیّر اور طیرۃ دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے، خوش قسمتی اور اچھائی کو طائر کہا جاتا ہے، اس کو تطیّر اس لیے نام دیا

گیا کیونکہ اہل عرب پرندوں کے ذریعے فال نکالا کرتے تھے۔

ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

التطير هُوَ التشاؤم من الشَّيْء المرئي أَو المسموع.[5]

ترجمہ: تطیر کسی دیکھائی یا سنائی دی جانے والی چیز سے شگون لینے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم میں تطیر سے مراد تطیر مذموم یعنی بدشگونی مراد لی جاتی ہے لیکن لغوی اعتبار سے دونوں معنوں میں علی سبیل الاشتراک استعمال کیا جاتا ہے۔ تطیر کی دوسری قسم نیک شگونی کہلاتی ہے جس کے لیے عام طور پر فال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

توہم پرستی کا حکم:

دینِ اسلام معاشرے سے شرک اور توھم پرستی کو ختم کرتا ہے۔ توحید کو اپنا مرکزی نقطہ، اور توحید سے متضاد ہر چیز کی نفی کرتا ہے۔ توہم پرستی کی تمام اقسام جس میں توکل علی اللہ سے روگردانی موجود تھی اور شرک کا قلیل شائبہ بھی تھا اس کو نہایت سختی سے روکتا ہے۔ شریعت اسلام میں تطیر کا حکم یہ ہے کہ یہ حرام اور شرک کے زُمرے میں داخل ہے۔ شریعت میں نیک شگونی اور بدشگونی سے متعلق بھی واضح تقسیم موجود ہے۔ نیک شگونی کے طبعی تقاضے کو اس حد تک جائز رکھا جو توھم پرستی سے پاک ہو اور توکل علی اللہ کے منافی نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاَ عَدْوَى وَلاَ طِيَرَةَ، وَلاَ هَامَةَ وَلاَ صَفَرَ[6]

ترجمہ: مرض کا ایک سے دوسرے کو لگنا، شگون لینا، ہامہ (یعنی اُلو) اور صفر کوئی چیز نہیں ہے۔

ہمارے معاشرہ میں ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کا رواج ابھی بھی باقی ہے اور لوگ اس مہینہ کی آمد کے ساتھ غلط تصورات اور مختلف توہمات کے ساتھ غیر شرعی کاموں کو انجام دیتے ہیں، خاص کر خواتین میں اس کا بہت اہتمام پایا جاتا ہے اور وہ نحوست کی بہت زیادہ قائل ہوتی ہیں۔ اس مہینے میں شادی کرنا، سفر کرنا اور دیگر امور کو انجام دینا منحوس سمجھا جاتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

الطِّيَرَةُ شِرْكٌ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ ثَلَاثًا[7]

ترجمہ: آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ طیرۃ شرک ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ مِنْ حَاجَةٍ فَقَدْ أَشْرَكَ "، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا كَفَّارَةُ ذَلِكَ؟ قَالَ: أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمْ: اللهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ[8]

ترجمہ: جس شخص کو طیرۃ کوئی کام کرنے سے روک دے اس نے شرک کا ارتکاب کیا، پوچھا گیا یارسول اللہ اس عمل کا

کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ کہے: اے اللہ خیر صرف تیری ہی طرف سے ہے اور شر بھی تیری ہی طرف سے ہے اور کسی کی جانب سے نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں شرک کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں:

فإذا تطير إنسان بشيء رآه أو سمعه؛ فإنه لا يعد مشركا شركا يخرجه من الملة...[9]

ترجمہ: جب کوئی شخص کسی قول یا نظارے کو بدشگونی پر محمول کرے تو یہ ایسا شرک نہیں ہے جو اس کو دین اسلام سے خارج کردے، لیکن یہ اس حیثیت سے شرک ہے کہ اس نے اس شے کو کارساز سمجھ لیا جس کو اللہ نے کارساز نہیں بنایا، یہ اعتقاد اللہ پر توکل کو کمزور کرتا ہے اور عزم کو توڑتا ہے۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے تطیر اور طیرۃ کو اسلام اور ایمان کے منافی عمل ہے۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَةً أَوْ قَالَ: مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً وَمَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[10]

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے تطیر کیا یا اس کے لیے تطیر کیا گیا، جس نے کہانہ کا عمل کیا یا اس کے لیے انجام دیا گیا اور جس نے جادو کیا یا اس کے لیے جادو کیا گیا، اور جس نے شرکیہ دھاگا باندھا، اور جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس کے کہے کی تصدیق کی تو اس نے اس شے کا انکار کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

الْعِيَافَةُ وَالطِّيَرَةُ وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ[11]

ترجمہ: پرندے اڑا کر، بدفالی اور بدشگونی لینا، خط کھینچنا یہ سب شیطانی کام ہیں۔

توہم پرستی کے اسباب:

اللہ تعالیٰ کی ذات پر عدم ایمان انسانی نفس کو قید و بند میں ڈال دیتا ہے اور ایسا شخص بھلائی کے راستے پر نہیں چل سکتا۔ جبکہ اللہ پر ایمان رکھنے والا زندہ متحرک اور حقیقی زندگی بسر کرتا ہے وہ خرافات سے دور بھاگتا ہے اور اپنے معاشرے وانسانیت کیلئے مثبت اور بہتر کارکردگی ادا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا ایجابی پہلو ہے جس سے معاشرتی طور پر اوہام پرستی سے بچا جاسکتا ہے، ایمان باللہ انسان کے نظریات کو اس زاویہ سے پختہ کردیتا ہے کہ تمام اشیاء میں انفعال کی براہ راست اپنی کوئی طاقت نہیں ہے اور وہ کبھی شکستہ دل اور مایوسیت کا شکار نہیں ہوتا، اور دنیاوی مصائب پر اس کا عزم وحوصلہ اور صبر واستقامت برقرار رہتا ہے۔

تقدیر پر عدم یقین:

تقدیر پر ایمان رکھنا ہم سب مسلمانوں کا فریضہ ہے اور یہ ایمان کا جزو ہے۔ جب کسی مسلمان کو اس بات کا احساس ہو کہ اس

کی زندگی کے معاملات میں جو کچھ بھی ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور اس کے حکم کے ساتھ ہو گا تو پھر اس کے جذبات واحساسات بھٹکیں گے نہیں اور نہ ہی وہ اپنی ذات کو بھٹکتا ہوا پائے گا اور نتیجتاً وہ اوہام سے محفوظ رہے گا۔ تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کے لئے ہر طرح کے اسباب مقدر کرتا ہے، ہر چیز کا ظہور ووجود اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، اسباب ووسائل کو بروئے کار لاتے وقت اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، نہ کہ خود اسباب اور وسائل پر، کیوں کہ ہر چیز تقدیر کے مطابق ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ[12]

ترجمہ: کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں نازل ہوتی یا تمہاری جانوں کو لاحق ہوتی ہو، مگر وہ ایک کتاب میں اس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا۔ یقین جانو یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ تاکہ تم نہ اس پر غم کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر پھول جاؤ جو وہ تمہیں عطا فرمائے اور اللہ کسی تکبر کرنے والے، بہت فخر کرنے والے سے محبت نہیں رکھتا۔

بلاشبہ تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے انتہا درجہ کی دلی راحت، اطمینان اور سکون، جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلوں کو برضا ورغبت قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے، تو نہ ایسا شخص اپنی کوئی چیز چھن جانے سے پریشان اور بے چین ہوتا ہے، اور نہ کسی مصیبت اور تکلیف دہ چیز کے حاصل ہونے پر غمگیں اور افسردہ ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ سب کچھ اس اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی وجہ سے ہو رہا ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ومالک ہے۔

توکل پر عدم یقین:

اللہ پر توکل ایمان کی روح اور توحید کی بنیاد ہے درحقیقت توکل تقدیر پر ایمان ہی کے سلسلے کی کڑی ہے۔ توہم پرستی میں مبتلا ہو جانے کا ایک بڑا سبب اللہ کی ذات پر مکمل اعتماد اور توکل کا نہ ہونا ہے کیونکہ جب خالق کائنات پر توکل اور بھروسہ نہیں رہے گا تو بھی انسان کی فکر ایسے اوہام اور بے بنیاد خیالات کا سہارا حاصل کرے گی جو نہ تو عقلاً درست ہوں گے اور نہ ہی شرعاً ان کا جواز ہو گا۔ جب بندہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر فکر و پریشانی والے معاملے کے بارے کافی ہو گا، جو اسے درپیش ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ[13]

ترجمہ: جو اللہ پر بھروسہ کرے گا اللہ اس کے لئے کافی ہو گا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، قَالُوا: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ،

وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ [14]

ترجمہ: میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرواتے، بدفالی نہیں لیتے، آگ سے نہیں دغواتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ تطیر (بدشگونی) اور مذکورہ افعال سے بچنے کو توکل کے اسباب اور اس کی صفات میں سے شمار کیا جاسکتا ہے یعنی توکل کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا مکمل اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہو وہ رقیہ، تطیر اور اکتواء پر بھروسہ نہ کرے۔ دنیا میں کسی چیز کی کامیابی کے لیے جو اسباب اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں انہیں استعمال کیا جائے لیکن کامیابی کے لیے ان اسباب پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت پر کیا جائے۔ توکل ترکِ اسباب کا نام نہیں بلکہ اسباب پر ترکِ اعتماد کا نام ہے۔

ذکرِ الٰہی سے دوری:

انسان کی روزمرہ کی زندگی میں ذکرِ الٰہی کا نہ ہونا بھی اس کی فکر اور اعمال میں منفی اثرات پیدا کرتا ہے جن میں توہمات، ہیجان اور عدم اطمینان شامل ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ [15]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

ذکرِ الٰہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے انسان اس طمانیت کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور ذکرِ الٰہی روحانی زندگی کے مقاصد میں سے نفسِ انسانی میں طمانیت پیدا کرتا ہے اور اضطراب، پریشانی کو جو طمانیتِ قلب کا دشمن ہے نکال پھینکتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى [16]

ترجمہ: اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن اسے ہم اندھا اٹھائیں گے۔

توہم پرستی دراصل اسی گھٹن اور اندھیرے کا ہی نام ہے جو خدا کے ذکر سے دور بھاگنے کی وجہ سے سامنے آتے ہیں۔ جو لوگ ذکرِ الٰہی سے دور رہتے ہیں۔ ان کے دلوں پر مہریں ثبت کر دی جاتی ہیں یا ان پر شیطان کی طرف سے گرہیں لگادی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا دل بے چین اور نفسِ انسانی توہمات، ٹوٹ پھوٹ اور اضطراب کا شکار رہنے لگتا ہے۔ حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ ثَلَاثَ عُقَدٍ إِذَا نَامَ، بِكُلِّ عُقْدَةٍ يَضْرِبُ عَلَيْكَ لَيْلًا طَوِيلًا، فَإِذَا اسْتَيْقَظَ

فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ،وَإِذَا تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عَنْهُ عُقْدَتَانِ ،فَإِذَا صَلَّى انْحَلَّتِ الْعُقَدُ،فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ[17]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ پر وہ یہ کہتا ہے کہ: سو جاؤ ابھی بہت رات باقی ہے۔ اگر وہ شخص جاگ جائے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اگر وہ وضو کر لے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ شخص چست اور مطمئن ہو جاتا ہے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو خبیث النفس اور سُست رہتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں ذکر الٰہی کرنے والے فجر کی نماز کیلئے بیدار ہونے والے شخص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اس عمل کو سرانجام دینے سے "طیب النفس" ہو جاتا ہے، نفس کا یہ اطمینان اور راحت ہی وہ اصل شے ہے جو فرد کو توہمات اور اضطراب سے بچاتا اور خالق کائنات سے جوڑے رکھتا ہے۔

اقتصادی اور معاشرتی ناہمواری:

توہم پرستی، بدشگونی اور بے اطمینانی کا ایک بہت بڑا سبب اقتصادی ہے۔ پوری دنیا میں غربت، بے روزگاری اور افلاس کے بڑھنے کی وجہ سے بے یقینی اور عدم تحفظ کے جذبات بھی نمایاں ہو رہے ہیں اور اس کی وجہ سے انسان توہمات کا پے در پے شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آج کا معاشرہ معاشرتی ناہمواری کا شکار نظر آتا ہے اور یہاں بسنے والے لوگ بھی ان ناہمواریوں کو پس پشت ڈال کر پیسہ کمانے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ اور تمام توانائیاں فقط جسم کو پالنے میں صرف کی جا رہی ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ مادیت سے آگے نہیں بڑھ رہا۔ جس معاشرے میں رہنے والے افراد کا مطمع نظر اور مقصد حیات دو روٹی ہو تو وہاں تربیت تنظیم اور تخلیق کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ معاشرتی ناہمواری کس طرح انسانی نفسیات پر اثر انداز ہو کر اسے خوف بے چینی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں اس کو خوف کا سبب بتایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَا تُخِيفُوا أَنْفُسَكُمْ بَعْدَ أَمْنِهَا قَالُوا :وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "الدَّيْنُ"[18]

ترجمہ: اپنے نفس کو امن کے بعد خوف میں مت ڈالو، صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کس طرح؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: قرض لے کر۔

یعنی مقروض کی کیفیات ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ خوف کا شکار رہتا ہے اور اسی خوف کے نتیجے میں وہ اوہام پرستی کے دروازے پر جا پہنچتا ہے۔ معاشرتی زیادتی کے شکار شخص کی معاشرت اور نفسیات بری طرح متاثر ہوتی ہے ایسے شخص کی حالت طبّی اعتبار سے تو بہتر ہو جاتی ہے لیکن اس کی نفسیاتی کیفیت بہرحال بہت عرصے تک حل طلب معاملہ بنے رہے گی۔ اس کی ذہنی حالت کافی ناگفتہ بہ رہتی ہے۔ معاشی نظاموں کی کشمکش سے آج کا انسان عدم سکون و اطمینان کا شکار نظر آتا ہے اور معیشت کا عدم استحکام اسے خوف ناامیدی اور

ذہنی اضطراب جیسے نفسیاتی مسائل سے دوچار کررہاہے اسی بناپر ہمیں غریبوں کی ایک کثیر تعداد توہم پرستی میں مبتلا نظر آتی ہے۔

وراثتی امراض:

فطری قوانین میں سے ایک قانونِ وراثت ہے۔ جسمانی امراض کی طرح بعض نفسیاتی امراض بھی وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔ توہم پرستی بعض اوقات کسی خاندان کا خاصہ ہوتی ہے کہ اس خاندان کے تمام افراد اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اطباء اور ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ بعض امراض وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔ ایسے جسمانی، عقلی اور نفسیاتی اثرات جو وراثت کے اعتبار سے سرایت کرتے ہیں یا منتقل ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل احادیث اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي فَزَارَةَ أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟» قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟ قَالَ: إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا، قَالَ: فَأَنَّى تَرَى أَتَى ذَلِكَ؟ قَالَ: عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَهَذَا عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ[19]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ سے مروی کہ بنو فزارہ کا ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیوی نے کالے رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا ان کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا: سرخ، آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ کیا اس نسل میں کوئی مٹیالے رنگ کے بھی ہیں؟ اس نے جواباً کہا: ہاں ان میں بعض ایسے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہوا؟ اس شخص نے کہا: ہوسکتا ہے ان کی رگ (وراثت) میں کوئی ایسا عنصر ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہوسکتا ہے تمہارے بیٹے کے معاملے میں بھی رگ (وراثت) کا عنصر ہو۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا عَلَا مَاؤُهَا مَاءَ الرَّجُلِ، أَشْبَهَ الْوَلَدُ أَخْوَالَهُ، وَإِذَا عَلَا مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَهَا أَشْبَهَ أَعْمَامَهُ[20]

ترجمہ: جب عورت کا پانی (مادہ منویہ) مرد کے پانی پر غالب ہو جائے تو بچہ اپنے ماموؤں پر جاتا ہے جبکہ اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے چچاؤں پر جاتا ہے۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ انسانی خصائص میں وراثت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"انسان ہر جگہ اپنے اصول سے صفاتِ مشترکہ کا وارث بنتا ہے جیسے شکل حواس، شعور، رجحانات اور عقل و ارادہ۔ اور یہ صفات اس میں نسلاً بعد نسلٍ وجود پذیر ہوتے رہتے ہیں اور انہی خصائص کی بدولت جو اس کو وراثت میں ملتی ہیں انسان اُن تمام امور میں غالب آجاتا ہے جن میں حیوان عاجز ودرماندہ رہ جاتے ہیں۔"[(21)]

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ کئی جسمانی امراض کی طرح نفسیاتی امور بھی وراثت میں منتقل ہوسکتے ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ فرع اصل کے مشابہ ہوتی ہے اور اصل سے اسی جیسا ثمرہ ونتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے بچے اپنے آباواجداد کے مشابہ ہوتے ہیں۔

جسمانی مشابہت کے ساتھ ساتھ خصوصیات کا اصول سے فروع کی طرف منتقل ہونا اسی کا نام وراثت ہے اور اسی وجہ سے توہم پرستی مختلف خاندانوں اور معاشروں کو وراثت میں ملتی ہے۔

خوداعتمادی کافقدان:

یاس اور نااُمیدی کی وجہ سے انسان میں خوداعتمادی ختم ہو جاتی ہے اور فرد کے اندر خوداعتمادی کا فقدان ہو تو وہ بدشگونی، ذہنی الجھن اور شک جیسی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات پر عدم اعتماد سخت مایوسی کا باعث بنتا ہے اس طرح کے لوگ زندگی میں کسی مشکل کے آگے بھی ڈٹ کر نہیں کھڑے ہو سکتے، مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیرے انہیں نااُمیدی کے بوجھ تلے دفن کر دیتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ انسان کے جلد مایوس ہونے کی فطرت پر لکھتے ہیں: "انسان یاس واُمید کے بارے میں فطرتاعاجل ہے اس کی فطرت سادہ بچوں کی مثال سے واضح ہوتی ہے۔ بچوں کا قاعدہ ہے کہ ہر حالت کا اثر بغیر تفکر وتدبر کے دفعۃً قبول کر لیتے ہیں۔"[22]

خُلِقَ الۡإِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ[23]

ترجمہ: انسان جلد بازی کی خصلت لے کر پیدا ہوا ہے۔

فَأَمَّا الۡإِنۡسَانُ إِذَا مَا ابۡتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكۡرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكۡرَمَنِ وَأَمَّا إِذَا مَا ابۡتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ[24]

ترجمہ: لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار اسے آزماتا ہے اور انعام واکرام سے نوازتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ: میرے پروردگار نے میری عزت کی ہے۔ اور دوسری طرف جب اسے آزماتا ہے اور اس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ: میرے پروردگار نے میری توہین کی ہے۔

حدیث میں آپ ﷺ نے اسی نکتہ کی وضاحت کی اور مؤمن کو بااعتماد اور متوکل علی اللہ ہونے کی ترغیب دی۔

الْمُؤۡمِنُ الْقَوِيُّ، خَيۡرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤۡمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيۡرٌ احۡرِصۡ عَلَى مَا يَنۡفَعُكَ، وَاسۡتَعِنۡ بِاللهِ وَلَا تَعۡجَزۡ، وَإِنۡ أَصَابَكَ شَيۡءٌ، فَلَا تَقُلۡ لَوۡ أَنِّي فَعَلۡتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنۡ قُلۡ قَدَرُ اللهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوۡ تَفۡتَحُ عَمَلَ الشَّيۡطَانِ[25]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: قوی (طاقتور) مؤمن اللہ کے ہاں زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ دونوں میں بھلائی موجود ہے جو شے تمہارے لیے سود مند ہو اس کیلئے تگ ودو کرو اور اللہ سے مدد مانگو، کمزوری کا مظاہرہ نہ کرو، اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو یہ مت کہو کہ اگر میں نے یوں کیا ہوتا تو یوں ہو جاتا بلکہ یہ کہو کہ اللہ نے جو مقدر کیا وہ ہوا" اگر" کالفظ شیطان کیلئے راستہ کھولتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے ایک مسلمان کے لیے خوداعتماد اور مضبوط قوت ارادی کا مالک ہونے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ جس فرد کی شخصیت اعتماد اور ارادہ مفقود ہو اس کے اندر شبہات، شکوک اور توہمات کا ایک طوفان پیدا ہو جاتا ہے یہ ایک

نفسیاتی مرض ہے جس سے بچنا لازمی ہے۔

توہم پرستی کا علاج: (جذبات واحساسات کی تربیت)

قرآن وسنت کا مقصد انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا ہے۔ وہ انسان کو بحیثیتِ کل دیکھتا ہے انسان کی مثال ایک زنجیر کی سی ہے اسی طرح انسانی شخصیت کے تمام پہلو اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر ہم عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے مثالی زمانہ کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے مسلمان جذباتی، اخلاقی، جسمانی اور ذہنی ایک معاشرے کے مفید شہری تھے۔ یہ قرآن وسنت کی تعلیم کا اعجاز ہے کہ صحابہ کرام کی جذباتی اور اخلاقی تربیت میں وہ شعور شامل تھا کہ ان میں نظری اور فکری آگہی کے ساتھ دینی احکامات کی عملاً کمی نہیں تھی۔ اس چیز نے ان کو دنیا کے مصائب میں ہمت کا پہاڑ بنا دیا تھا جس کو تند و تیز طوفان بھی اپنی جگہ سے نہ سرکا سکے۔

مذہبی اعتقادات واعمال کے ذریعے علاج کرانے اور اس سے شفاء مل جانے کے تصور کی تائید ایسی احادیث سے ہوتی ہے جن میں بعض امراض کیلئے خاص دعاؤں اور تعوّذات کی تلقین کی گئی ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو لاحق ہونے والی بعض امراض کی نشاندہی اور ان کا علاج مذہبی جذبات واحساسات کی مکمل تربیت سے ممکن ہے۔ حضرت سلمان فارسی سے ایک روایت منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلاَّ الدُّعَاءُ، وَلاَ يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلاَّ الْبِرُّ[26]

ترجمہ: تقدیر کو نہیں ٹال سکتی مگر دعاء، اور عمر کو نہیں بڑھا سکتی مگر نیکی۔

ایک اور حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَحَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، وَأَعِدُّوا لِلْبَلَاءِ الدُّعَاءَ[27]

ترجمہ: اپنے امراض کی دوا صدقہ کے ذریعے سے کرو، اور اپنے مال کو محفوظ بناؤ زکوۃ کو ادا کرکے، اور مصیبتوں کیلئے دعاء کو (بطور ہتھیار) تیار رکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ، وَمَا سُئِلَ اللَّهُ شَيْئًا يَعْنِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ الْعَافِيَةَ وَقَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ[28]

ترجمہ: تم میں سے جس شخص کو دعاء مانگنے کی توفیق مل گئی گویا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے، اور اللہ تعالیٰ کو مانگنے کے اعتبار سے سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کو طلب کیا جائے، اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: کہ دعاء موجود مصائب اور آنے والے مصائب میں مفید ہے لہذا اے اللہ کے بندو دعاء کو لازم پکڑو۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ مبارکپوری لکھتے ہیں:

إن الدعاء ينفع مما نزل أي من بلاء نزل بالرفع إن كان معلقا وبالصبر إن كان محكما فيسهل عليه تحمل ما نزل به فيصبره عليه أو يرضيه به... [29]

ترجمہ: اس حدیث میں "مما نزل" سے مراد وہ مصائب ہیں جو معلّق ہوں ان کو دعاء کی برکت سے ہٹادیا جاتاہے۔اور اگروہ نازل ہوچکی ہوں یاان کے نزول حتمی ہو توان کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی جاتی ہے۔وہ شخص ان مصائب پر صبر کرتا اوران پر راضی رہتاہے یہاں تک کہ حتمی امر کے خلاف کی تمنا نہیں کرتا بلکہ ان مصائب سے اس طرح لطف اندوز ہوتاہے جس طرح اہل دنیا نعمتوں سے ہوتے ہیں۔جبکہ "ممالم ینزل" سے مقصود ہے کہ اس شکل کو رفع کر دیاجاتاہے یاپھر نازل کرنے سے قبل اسے برداشت کرنے کا کوئی وسیلہ بنادیاجاتاہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں فرمایاگیاہے کہ آدمی کی خوش بختی اس میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کے ساتھ راضی رہے۔ اللہ کی تقدیر کے ساتھ رضاء کو خوش بختی اس لیے بھی کہاگیاہے کہ اس سے مصائب ومشکلات کی حدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔اور اس عمل کے ذریعے نفسیاتی طورپر بھی انسان خود کو ہلکامحسوس کرتاہےاور رب تعالیٰ کے حضور خود سپردگی کے عمل کے بعد توہمات اور بےچینیاں بھی اس کے قریب نہیں بھٹکتے۔حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللهِ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ [30]

ترجمہ: آدمی کی خوش بختی یہ ہے کہ وہ اس تقدیر پر راضی رہے جو خدانے اس کے لیے منتخب کی ہے۔اور آدمی کی بدبختی کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ نہ کرے۔اور آدمی کی بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی قضاء پر ناراضگی کااظہار کرے۔

علامہ طیبیؒ اس حدیث کی شرح کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔

أي الرضا بقضاء الله وهو ترك السخط علامة سعادته. وإنما جعله علامة سعادة العبد لأمرين... [31]

ترجمہ: رضا بالقضاء کو سعادت کی علامت گردانا گیاہے (یعنی اس پر غصہ کااظہار نہ کرنا) دو وجہ سے بندے کیلئے خوش بختی کا سبب ہے۔ایک تواس لیے کہ بندہ عبادت کیلئے فارغ ہو سکتاہے کیونکہ جب وہ قضاء پر راضی نہ ہو گاتو پھر غمگیں رہے گااور اس کا دل مشکلات میں گھرارہے گااور وہ یہ کہتارہے گاکہ ایساکیوں ہوا، ایساکیوں نہ ہوا؟اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رضاء بالقضاء خداکے غضب و غصہ سے محفوظ رکھتی ہےاور بندے کی ناراضگی کامطلب یہ ہے کہ وہ مقدر کے برعکس کاذکر کرتارہے۔

تعلیمات نبویہ کا مقصد انسان کے جذبات واحساسات کی تربیت کرنا بھی ہے،اور تمام موہوم خطرات (مثلاً موت کاخوف، غریبی کاخوف)اور آفات سے محفوظ کرنے کاطریقہ انسانی جذبات کااللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی ہے۔اس سے دل میں دنیاوآخرت کی

لازوال نعمتوں کی امید پیدا ہوتی ہے اور انسان ان ہدایات کی روشنی میں کفر وشرک، توہم پرستی، فحاشی اور فتنہ وفساد سے مکمل طور پر بچ سکتا ہے۔

اخلاقی معاونت فراہم کرنا:

توہماتی رویے اس لیے جنم لیتے ہیں کہ انسان کے اندر تنہائی پسند ہونے کے ناطے بے وجہ خجالت اور شرم وحیا کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔ایسا فرد ہر وقت گوں مگو اور تذبذب کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے،اور کسی بھی کام کو انجام دینے سے قبل شدید ہچکچاتا ہے۔ خصوصاً ایسے امور جو اجتماعی نوعیت کے ہوتے ہیں یہ مرض تقریباً ہر معاشرے میں وجود رکھتا ہے اس کی بنیادی وجہ بچپن کی صحتمندانہ پرورش کا نہ ہونا ہے۔والدین اسے کھیل کود سے اور میل جول سے دور رکھتے ہیں تو اس کے نتیجے میں یہ مرض لاحق ہو جاتا ہے۔

ایسے افراد کی تربیت نفس اور اس کے جذباتی رویوں کا درست استعمال سے اصلاح کی جاسکتی ہے جس کے لیے مریض کی خود اعتمادی(Self Esteem)اور دوسروں کی اخلاقی معاونت کی ضرورت پڑتی ہے۔

"ترتیب نفس (Self-Discipline) یعنی نفس کا قابو یافتہ ہونا ہر قسم کے اخلاقی عمل کی اولین شرط ہے اخلاقی زندگی اپنے پست درجات سے لیکر اعلیٰ ترین منازل تک اسی تربیت نفس ضابطہ شناسی اور قابو یافتگی(Self-Control) پر مبنی ہے اسی وجہ سے قرآن میں خواہشات کی غلامی کو کفر اور گمراہی کا بنیادی سبب قرار دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص اپنے جذبات وخواہشات کا بندہ ہو وہ کسی اخلاقی نصب العین کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے اس کی آزادی نفس میں لازماً خلل واقع ہوگا۔ نفس کی تہذیب اور جذبات کی تربیت اخلاقی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے اور کوئی انسان جس کا نفس قابو یافتہ (Self-Control) نہ ہو اخلاقی اعتبار سے کامیاب نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔"[32]

انسانی تربیت واصلاح میں صالح دوستوں کی مجالست سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابوہریرۃ □ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ[33]

ترجمہ: انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ کون اس کا (صالح یا غیر صالح) دوست ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ، كَحَامِلِ المِسْكِ وَنَافِخِ الكِيرِ، فَحَامِلُ المِسْكِ: إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الكِيرِ: إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً[34]

ترجمہ: نیک اور برے دوست کی مثال مشک ساتھ رکھنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے (جس کے پاس مشک

ہے)وہ اس میں سے یا تمہیں کچھ تحفہ کے طور پر دے گا یا تم اس سے خرید سکو گے یا کم از کم تم اس کی عمدہ خوشبو سے محظوظ ہو ہی سکو گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلادے گا یا تمہیں اس کے پاس سے ایک ناگوار بدبودار دھواں پہنچے گا۔

احادیث سے معلوم ہوا کہ ایسے مریض کے علاج کے لیے سعادت مند رشتہ داروں اور صالح دوستوں کی اخلاقی معاونت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔انہیں چاہیے کہ وہ اسے اجتماعی امور کے انجام دینے کے لیے حکم نہ دیں بلکہ وہ جن چیزوں سے شرم محسوس کرتا ہے وہ اس کے سامنے انہیں انجام دیں۔اسے مسکرا کر اور دوستانہ ماحول میں رہتے ہوئے بغیر تنقید کے سمجھانے کی کوشش کریں۔اس باخلاقی معاونت توہماتی رویے سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

مصروفیت کی فراہمی:

توہم پرستی کے بعض مظاہر ایسے ہوتے ہیں جو اس وجہ سے لاحق یا زیادہ دیر تک اپنا اثر رکھتے ہیں کہ اس شخص کے پاس ان کے لیے وقت موجود ہوتا ہے۔ مثلاً کئی لوگوں کو طہارت کی توہم پرستی لاحق ہوتی ہے وہ ہاتھ دھونے میں وقت زیادہ لگاتے ہیں نہانے میں بہت سارا وقت ضائع کر دیتے ہیں یا وضو کرتے وقت اعضاء کو کئی دفعہ دھوتے رہتے ہیں اور اس دوران وہ شدید اضطراب اور بے چینی کی کیفیت میں بھی نظر آتے ہیں۔ایک حدیث میں طہارت میں وساوس ڈالنے کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ لِلْوُضُوءِ شَيْطَانًا ،يُقَالُ لَهُ: الوَلَهَانُ ،فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ[35]

ترجمہ: وضوء میں وسوسے پیدا کرنے کیلئے شیطان ہے جس کا نام ولھان ہے پس تم پانی میں وسوسے پیدا کرنے سے بچو۔

علاج کے اسی ضمن میں مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ نے ارسطو کا مقولہ نقل کیا ہے کہ :

"جب انسانی اخلاق میں سے کوئی خلق حدِ اعتدال سے متجاوز ہو جائے تو اس کو اعتدال پر لانے کی ترکیب یہ ہے کہ اس کی ضد کی جانب میلان اختیار کیا جائے"۔[36]

اس مرض سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے فرد کو مصروف رکھا جائے خصوصاً طہارت کے وقت اسے کم وقت دیا جائے تاکہ اس کا ذہن بٹا رہے۔ایسا مریض جب متبادل کو ترجیح دینے لگ جائے تو وہ اس مرض سے آسانی کے ساتھ جان چھڑا سکتا ہے۔اور اگر نئی جگہ یا نئی مجلس کو اختیار کرے اور اپنے نفس کو مفید کاموں میں مشغول رکھے تو یقیناً ایسے شخص کو مرض سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

مصیبت کو چھوٹا سمجھنا:

توہمانہ افکار اور ذہنی اضطراب سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ہر پیش آنے والی مشکل کو چھوٹا خیال کرے اور یہ گمان کرے کہ اسے اس سے بڑی مشکل کا سامنا بھی ہو سکتا تھا۔اس طرح اسے راحت حاصل ہو گی اور اس کا فکری وحدت ٹوٹ کر

توہمات کی نذر نہیں ہوگی۔ یہ ایک نفسیاتی طریقہ علاج ہے جسے علم نفسیات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا استعمال آپ ﷺ نے بھی کیا ہے۔ حضرت خباب بن الارت سے روایت ہے جب مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور ان کی زندگی سخت تر کر دی گئی تو وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے اور حضرت خباب نے کہا آپ ہمارے لیے خدا سے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا: تم میں سے پہلی امتوں میں ایک شخص کو پکڑا جاتا، زمین میں گڑھا کھود کر اس میں گاڑا جاتا۔ پھر اس کے سر پر آری رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔ اس کے جسم کے گوشت اور ہڈیوں پر لوہے کے کنگھے پھیرے جاتے۔ مگر پھر بھی وہ اپنے دین پر قائم رہتا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء سے حضر موت تک سفر کرنے والے کو اللہ کے سوا کسی شے کا ڈر نہ ہوگا اور نہ ہی کسی کو بکریوں کے ریوڑ پر بھیڑیے کا خوف ہوگا۔ مگر تم لوگ عجلت پسند ہو۔[37]

مصائب دراصل انسان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے ہیں اور اسکے صبر و برداشت کے مادے کو متزلزل کر دیتے ہیں۔ مصیبت جتنی بڑی ہوگی فرد کا اعتماد اتنی تیزی سے چکنا چور ہوگا اور اس کے بعد وہ طرح طرح کے خیالات اور توہمات میں دھیان دینے لگ جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ فرد ہر مصیبت کو برداشت کر جائے اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ وہ اسے اتنی اہمیت نہ دے جتنی عموماً دی جاتی ہے تا کہ وہ پر اعتماد، مضبوط اور نڈر رہے۔ حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ[38]

ترجمہ: (دنیاوی امور میں) اپنے سے نیچے والے کی جانب دیکھو نہ کہ اپنے سے اوپر والے کی طرف۔ تمہارے لیے مناسب ہے کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر مت جانو۔

آپ ﷺ نے انسانوں کو پر اعتماد، مطمئن اور خوش رہنے کا طریقہ بتایا ہے کہ وہ دنیاوی معاملات میں اس طرح مسابقت نہ کریں کہ ان کی شخصیت پر منفی اثرات ظاہر ہوں۔ اس حدیث میں ایسی مسابقت کی حوصلہ شکنی کی جا رہی ہے۔ جس میں خدائے تعالیٰ کی نا شکری کا پہلو سامنے آئے یا انسان کی اپنی شخصیت میں کجی اور ناہمواری کے اثرات نمایاں ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی ناہمواری فرد کی ذات کو اعتماد سے نکال کر توہمات اور شکستگی کی طرف لے جاتی ہے۔ اگر انسان اپنا ذہنی ارتکاز اور سکون باقی رکھنا چاہتا ہے تو وہ اپنے اعتماد کو متزلزل نہ ہونے دے۔ اعتماد کی شکستگی توہمات کے دروازوں کو کھول دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے اس نے اس سے بڑی بیماری سے محفوظ رکھا۔ اگر کسی کو کاروبار میں نقصان ہو جائے تو اسے کہا جاتا ہے کہ اچھا ہوا اس سے بڑا نقصان نہ ہوا۔

حسنِ ظن کی ترویج:

توہم پرستی اور ذہنی اضطراب سے محفوظ رہنے کا بڑا ذریعہ حسن ظن رکھنا ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے بارے

میں ہمیشہ اچھا گمان رکھے اور ان کے متعلق خود سے ایسی آراء قائم نہیں کر لینی چاہیں جن کی وجہ سے وہ آپ اندر ہی اندر کڑھتا رہے اور بے چینی کا شکار ہو جائے۔ حسنِ ظن نہ رکھنا انسان کے اندر منفی رویوں کے جنم لینے کا باعث بنتا ہے اور یہی رویے دراصل توہم پرستی کا پیش خیمہ ہیں۔ چنانچہ بدگمانی سے بچنے کے لیے قرآن میں ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ [39]

ترجمہ: اے ایمان والو بے جا بدگمانی سے دور رہو بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے نہ صرف دور رہنے کا حکم دیا بلکہ اس کو گناہ کے درجہ میں رکھ کر اس کی شدت اور برائی کو مزید واضح اور پختہ کر دیا۔ اور حسن ظن رکھنے کا درست محمل یہ ہے کہ بلاوجہ یا غیر ضروری طور پر کسی کے بارے میں بدگمانی نہ پالی جائے کیونکہ رویہ اور سلوک توہم پرستی کی ذہنیت کا عکاس ہے اور نہ ہی خود کو جان بوجھ کر فریب کا شکار بنایا جائے کیونکہ شریعت اور معقولیت اس کو بھی ہرگز پسند نہیں کرتے۔ حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ، وَلاَ تَحَسَّسُوا وَلاَ تَجَسَّسُوا وَلاَ تَنَاجَشُوا وَلاَ تَحَاسَدُوا وَلاَ تَبَاغَضُوا وَلاَ تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا [40]

ترجمہ: بدگمانی سے بچتے رہو کیونکہ بدگمانی کی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں، لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کے پیچھے نہ پڑو، آپس میں حسد نہ کرو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بغض نہ رکھو، بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

بدگمانی کا ازلہ علم یعنی جاننے سے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ شیطان انسان کے دل میں وسوسے اور بدگمانیاں پیدا کرتا ہے۔ حالات و واقعات کے یقینی علم کے ذریعے سے بدگمانی کے امکانات کو دور کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ایک واقعہ سے بدگمانی سے بچنے کی ہدایت ملتی ہے۔

"حضرت صفیہ بنت حیی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں اعتکاف فرماتھے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ کسی غرض سے آپ ﷺ کے پاس مسجد نبوی میں آئیں۔ عشاء کے بعد رات کا وقت تھا جب وہ واپس جانے لگیں تو آپ ﷺ مسجد کے دروازے میں کھڑے ہو گئے تاکہ وہ بے خوف جا سکیں اور تنہائی کی وجہ سے کوئی جھجک محسوس نہ کریں ان کی رہائش اسامہ بن زید کے گھر میں تھی، ابھی وہ مسجد سے نکلی نہیں تھیں کہ دو انصاری صحابہ مسجد سے گزرے، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ٹھٹکے۔ آپ ﷺ نے دونوں کو آواز دی کہ ادھر آؤ، وہ دونوں آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صفیہ بنت حیی ہیں، یعنی کوئی غیر خاتون نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے دل میں کوئی بدگمانی پیدا نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے دل میں یہ بدگمانی ڈال دیتا کہ رات کے وقت یہ کون خاتون ہے جو اعتکاف کے موقع پر تنہا میرے پاس آئی ہے۔ اس لیے میں نے یہ وضاحت ضروری سمجھی۔" [41]

معلوم ہوا کہ انسانی نفس میں طرح طرح کی بدگمانیاں اور خیالات پیدا ہو سکتے ہیں اور یہ شیطانی وساوس کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ان کو دور کرنا اور سمجھنا بہت ضروری ہے۔ وسوسہ (برے خیالات) جو شیطان انسان کے دل میں ڈالتا رہتا ہے یہ وسوسہ کبھی عقیدہ کے متعلق ہوتا ہے، کبھی عبادات جیسے نماز اور طہارت میں شک کے طور پر ہوتا ہے، تو کبھی موہوم بیماریوں سے خوف کے متعلق ہوتا ہے۔

مثالیت اور توازن:

بعض لوگ اس لیے توہم پرستی اور اضطراب کا شکار رہتے ہیں کہ وہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر قضیے میں کمال اور مثالیت کی خواہش رکھتے ہیں۔ وہ ہر شے میں Perfection کے متمنی ہوتے ہیں۔ یہ طرزِ فکر اور سلوک انسان کو توہمات کے طوفان میں غرق کر دیتا ہے۔ وہ ہر وقت ہر چیز میں کوتاہی اور کجی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح گھریلو امور میں بھی توہمانہ افکار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً اپنی شریک حیات کے متعلق وہ مثالیت کے نظریہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ وہ زوجہ کے بارے میں خواہش رکھتے ہیں کہ اسے ہر طرح سے مکمل شریک حیات مل جائے جس میں کوئی عیب اور کمی نہ ہو اور جب اس میں کوئی خامی نظر آتی ہے تو اس پر کڑھنا بھی شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح اس کی اپنی اور بیوی کی دونوں زندگیاں غیر ہموار فضا میں اجیرن ہو کے رہ جاتی ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ[42]

ترجمہ: مؤمن مرد اپنی مؤمن شریک حیات کو ناپسند نہیں کرتا۔ اگر وہ اس کی کسی ایک عادت کو ناپسند کرے تو دوسری عادت اسے پسند آ جاتی ہے۔

شیخ عبدالرحمن آل سعدیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

الإرشاد إلى معاملة الزوجة والقريب والصاحب والمعامل، وكل من بينك وبينه علقة واتصال...[43]

ترجمہ: اس حدیث میں شریک حیات، رشتہ دار، دوست اور ہر اس شخص کے ساتھ تعامل کی رہنمائی کی گئی ہے جس کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعلق اور ربط ہو۔ تمہیں اس بات کا مکمل ادراک ہونا چاہیے کہ جس کے ساتھ تمہارا تعلق ہے اس میں عیب، نقص اور غیر مرغوب عادات بھی ضرور موجود ہوں گی۔ جب تمہیں اس کے اندر یہ چیزیں نظر آئیں تو اس وقت اِن چیزوں اور آپسی تعلق و محبت کے درمیان موازنہ کرو اور اُن اچھائیوں اور مقاصد خاصہ وعامہ کے ساتھ بھی موازنہ کرو جو اس شخص میں موجود ہیں۔ اس طرح عیوب سے چشم پوشی کرنے اور اچھائیوں کو سامنے رکھنے سے دوستی اور ربط ہمیشہ رہے گا اور تمہیں راحت بھی حاصل ہو گی۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مثالیت کا حصول ناممکن ہوتا ہے۔ خصوصاً اس دور میں کہ جب اقدار ثانوی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ کمال کی تلاش میں رہنا وقت ضائع کرنے اور زندگی کو مشکل بنانے کے سوا کچھ نہیں۔ مثالیت کی تلاش کا صاف اور واضح مطلب

یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی توقعات پر پورا اترنے کا مطالبہ کرنا جبکہ آج آزادی کی تعریف اور دائرہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ کسی کی توقعات پر پورا اترنا آزادی پر سمجھوتہ کرنے کے برابر ہے اور جو افراد یہ خواہش پالتے ہیں وہ دراصل دوسرے کی زندگی اور حقِ آزادی پر قدغن لگانے والے خیال کئے جاتے ہیں۔ لہذا پہلے تو بے عیب زندگی کی تلاش پر اصرار کرنا ہی ایک غیر فطری اور ناقابل حصول مقصد ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی چھوٹی چھوٹی نعمتوں اور خوشیوں کی توہین بھی ہے۔ توہم پرست ذہنیت نعمتوں کو بھی اپنا حریف سمجھ بیٹھتی ہے اسے صرف وہی نعمت اور خوشی اچھی لگتی ہے جس کی طلب وہ رکھتا ہے اگر ویسا نہ ہو سکے تو وہ ہر لمحہ اضطراب کا شکار رہتا ہے اور الٹا بن مانگی خوشیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتا ہے۔ یہ بیماری تباہ کن ہے۔ اس سے صرف اخلاق ہی نہیں صحت اور جسم بھی متاثر ہوتے ہیں۔

اختتامیہ:

انسانی تاریخ کا آغاز ایک مومن اور عقیدہ توحید کے ماننے والے کے طور پر ہوا لیکن مرور زمانہ کے ساتھ اور وحی الٰہی سے دوری کے باعث انسان اَن دیکھے خوف اور موہوم خطرات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تعلیمات نبویہ کی بنیادی غرض وغایت یہی رہی ہے کہ انسان کے عقائد و نظریات کی ارتقائی وتدریجی فکر اسلامی نظریہ حیات سے جڑی رہے اور ان ہدایات کی روشنی میں کفر و شرک، توہم پرستی سے بچ سکے۔ ایمان، توکل واعتماد، ذکر الٰہی دل میں ایسی قوت پیدا کرتا ہے جس سے انسان بہت سے فضول اندیشوں اور خیالی خطرات سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور وہ ایسے مفسد خیالات کو ان کے حال پہ چھوڑ کر پورے اطمینان کے ساتھ الوہی مقاصد کو پورا کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرتا ہے اور دل اس تنگی کا شکار نہیں ہوتا اور ہر اندیشہ وگمان اس کے سکون کو غارت کر بھی نہیں کر سکتا۔ انسان دنیا میں بغیر خالق حقیقی کے بے یارو مددگار ہے اور یہ کہ ہم مکمل طور پر ہر چیز کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ آزمائشوں اور سختیوں کی تکالیف کا سامنا صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان و توکل اور اس کی عطا کردہ قوت سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے انہیں پوشیدہ اور کھلے دونوں طرح کی اضطراب و بے یقینی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نفس کا یہ اطمینان اور راحت ہی وہ اصل شے ہے جو فرد کو توہمات اور اضطراب سے بچاتا اور خالق کائنات سے جوڑے رکھتا ہے۔ چنانچہ محفوظ اور کامیابی کا راستہ یہی ہے کہ ہر ممکن حد تک توہمات سے بچا جائے تاکہ شرک جو اس کی انتہائی حد ہے اس سے یقینی طور پر نجات ممکن ہو سکے۔

حوالہ جات

---

[1] الفارابي، إسماعيل بن حماد، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، دارالعلم للملايين، بيروت، الطبعة الرابعة، 1407ھ، ج5، ص2054

[2] دہلوی، مولوی سید احمد، فرہنگ آصفیہ، مکتبہ اُردو سائنس بورڈ، اپر مال، لاہور، طبع 2010ء، ج4، ص658

[3]یٰسین36:19

[4] الزبیدی، مرتضی ،تاج العروس من جواهر القاموس، دارالهدایه، بدون رقم الطبع، ج12، ص553

[5]ابن قیم، محمدبن أبي بکر، مفتاح دارالسعادة ومنشورولایة العلم والاراداة ، دارالکتب العلمیة بیروت، 1997ء، ج2، ص246

[6]صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، دارطوق النجاة، 1422ھ، کتاب الطب، باب لاهامه، حدیث 5757، ج7، ص135

[7]أبوداود، سلیمان بن الأشعث ،سنن أبي داود، المکتبة العصریة ،بیروت ، طبع 2009ء، حدیث نمبر3910، ج4، ص17

[8]احمد بن حنبل، مسنداحمد ،مؤسسة الرسالة، طبع 1421 ھ، حدیث نمبر7045، ج11، ص623

[9]العثیمین، محمد بن صالح ، القول المفید علی کتاب التوحید، دار ابن الجوزی، المملکة العربیة السعودیة، 1424ھ ج1، ص 575

[10]البزار، أبو بکر أحمد بن عمرو (المتوفی 292ھ)، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، مکتبة العلوم والحکم، المدینة المنورة، طبع الأولی، ج9، ص52

[11]مسند احمد ، حدیث نمبر15915، ج25، ص256

[12]الحدید57: 22-23

[13] الطلاق65: 3

[14]مسلم بن الحجاج ،صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربي ،بیروت ،کتاب الإیمان، حدیث نمبر218، ج1، ص198

[15]الرعد13: 28

[16]طٰه 20: 124

[17]صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، حدیث نمبر776، ج1، ص538

[18]مسند احمد ، حدیث نمبر17320، ج28، ص 557

[19]النسائی، أحمد بن شعیب، السنن الصغری، مکتبه المطبوعات الإسلامیة حلب، الطبعة الثانیة، 1406ھ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر3478، ج6، ص178

[20]صحیح مسلم ، کتاب الحیض، حدیث نمبر 314، ج1، ص251

[21] سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 1976ء ص47

[22] آزاد، مولانا ابوالکلام، قرآن کا قانون عروج وزوال، مکتبہ جمال اردو بازار، لاہور، ص119

[23] الانبیاء21: 37

[24]الفجر89: 15-16

[25]صحیح مسلم، کتاب القدر، حدیث نمبر2664، ج4، ص2052

[26]الترمذی، محمد بن عیسی ابو عیسی، سنن الترمذی، کتاب القدر، حدیث نمبر2139، ج4، ص448

[27] البيهقي، أحمد بن الحسين أبو بكر(المتوفى: 458ھ)، السنن الكبرى، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة،1424ھ،حدیث نمبر6593،ج3،ص536

[28] سنن الترمذی، أبواب الدعوات،حدیث نمبر:3548،ج5،ص444

[29] المباركفوری، محمدعبدالرحمن، تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذی، دار الفكر، بیروت، طبع2008ء،ج9،ص374

[30] سنن الترمذی، أبواب القدر،حدیث نمبر2151،ج4،ص24

[31] الطيبي، شرف الدين الحسين بن عبد الله (743ھ)، شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى (الكاشف عن حقائق السنن)، مكتبة نزار مصطفى الباز (مكة المكرمة الرياض)، الأولى،1417ھ،ج10،ص3338

[32] صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام کا نظریہ اخلاق، مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص14

[33] سنن ابي داود، فی کتاب الأدب، و باب من يؤمر أن يجالس،حدیث نمبر4833،ج4،ص259

[34] صحيح البخاری ، كتاب الذبائح والصيد، باب المسك،حدیث نمبر5534،ج7،ص96

[35] سنن الترمذی، كتاب الطهارة، باب كراهية الإسراف في الماء، حدیث نمبر57،ج1،ص112

[36] سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص87

[37] صحيح البخاری، فی کتاب المناقب، وباب علامات النبوة فی الإسلام ،حدیث نمبر3612،ج4،ص102

[38] صحيح مسلم ، كتاب الزہد و الرقائق،حدیث نمبر2963،ج4،ص2275

[39] الحجرات49: 12

[40] صحيح البخاری، كتاب الادب، باب يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن، حدیث نمبر6066،ج8،ص19

[41] صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده،حدیث نمبر3281،ج4،ص124

[42] صحيح مسلم، كتاب الرضاع ،حدیث نمبر1469،ج2،ص1091

[43] آل سعدي، عبد الرحمن ، الوسائل المفيدة للحياة السعيدة، الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، الثانية، 1409ھ،ص28

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.